مقالات

اشراق

رضوان اللہ

واقعۂ نوح

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

یہ انسانی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے جس کا بیان ہمیں کئی مذہبی روایات میں ملتا ہے۔ بائبل میں تاریخی ترتیب کے ساتھ اس کی تفصیل آئی ہے تو قرآن میں تذکیری انداز کے مطابق جستہ جستہ اس کے متعلق بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ دونوں کتابیں الہامی ہونے کے لحاظ سے چونکہ ایک ہی روایت کی امین ہیں اور ان میں اکثر وبیش تر واقعات باہم موافق پائے جاتے ہیں، اس لیے ان میں یہ واقعہ بھی اپنی اصل کے لحاظ سے ایک سا آیا ہے۔ تاہم، کئی مقامات پر یہ اپنے بیان میں مختلف بھی ہو گیا ہے اور تورات کی نقل میں غلطی، اِلحاق اور تحریف جیسے امکانات کے ہوتے ہوئے ایسا ہو جانا ناممکن نہیں ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات کیا ہیں؟ ان سے تو ہم سب لوگ واقف ہیں اور اُنھیں یہاں بیان کرنے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں، مگر اس کے بارے میں چند سوالات ایسے پیدا ہوتے ہیں جو شدت سے اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ اُن کے تشفی بخش جواب ضرور دیے جائیں، مثال کے طور پر:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کیا سب انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے؟

۲۔ طوفان نوح کیا پوری زمین پر آیا؟

۳۔ اُن کی کشتی میں کون سوار ہوئے؟

۴۔ کیا نوح کے اہل محض اہل ہونے کی بنا پر سوار ہوئے؟

۵۔ آج کے سب انسان کس کی اولاد ہیں؟

٦۔ سیدنا ابراہیم کیا واقعی حضرت نوح کی نسل سے ہیں؟

ہم ذیل میں ان سوالات کے جواب میں اپنی معروضات پیش کرتے ہیں:

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کیا سب انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے؟

عام طور پر خیال کیا گیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی بعثت اُن کے زمانے کے سب انسانوں کی طرف ہوئی۔ اس خیال کی دلیل اس کے سوا کچھ نہیں کہ آدم اور نوح کا زمانہ چونکہ بہت قریب کا ہے، اس لیے غالب اِمکان یہی ہے کہ آدم کی نسل ابھی ایک ہی جگہ قیام رکھتی ہوگی اور نوح کو ان سب کی طرف مبعوث کر دیا گیا ہوگا۔ قرآن کے بیانات اس زمانی قرب کی بالکل تائید نہیں کرتے۔ مثلاً اس میں بتایا گیا ہے کہ نوح سے پہلے آدم کی اولاد میں نبوت کا باقاعدہ سلسلہ قائم رہا ہے[۱]۔ یہ، ظاہر ہے کہ ان دونوں کے درمیان میں پائی جانے والی ایک لمبی مدت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نوح کے زمانے میں شرک کی پوری رام لیلا، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی صورت میں وجود پذیر ہو چکی تھی[۲]۔ اس کا وجود بھی دلالت کرتا ہے کہ انسان کی پیدایش کے بعد اچھا خاصا زمانہ گزر چکا ہے کہ اس طرح کی ہستیاں اپنی موت کے عرصۂ دراز بعد ہی خداؤں کی صورت میں ڈھلا کرتی ہیں۔ بلکہ بائیبل کے بیانات کو اگر صحیح مان لیا جائے تو آدم اور نوح کی پیدایش میں پائی جانے والی مدت تو بالکل متعین ہو کر ہمارے سامنے آجاتی ہے، یعنی ۱۰۵٦ سال۔ اس میں اُن کی بعثت تک کی عمر مزید شامل کی جا سکتی ہے۔ اب اس قدر طویل زمانے کے ساتھ ساتھ انسان کی انتہا درجے کی تجسس پسند فطرت، سماجی و معاشرتی عوامل اور معیشت کی مجبوریوں کا اگر لحاظ رہے تو یہ فرض کر لینا بالکل محال ہو جاتا ہے کہ انسان زمانۂ نوح میں ایک ہی علاقے میں قیام پذیر رہا ہوگا اور مختلف علاقوں میں ہجرت نہ کر گیا ہوگا۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ نوح کے زمانے تک جس طرح آدم کی اولاد سے مختلف نسلیں ظہور میں آچکی ہوں گی، اسی طرح یہ سب لوگ زمین کے مختلف علاقوں میں آباد بھی ہو گئے ہوں گے۔ سو ان حالات میں یہ مان لینا کسی طرح ممکن نہیں رہتا کہ ایک پیغمبر کو ایک وقت میں سب انسانوں کی طرف مبعوث کر دیا جائے، بلکہ یہی بات قوی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت نوح کی بعثت سب کے بجائے بعض لوگوں کی طرف کی گئی ہو۔ اور یہ وہ بات ہے جسے قرآن مجید نے بھی لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ فرمایا ہے:

۱؎ مریم ۱۹: ۵۸۔

۲؎ نوح ۷۱: ۲۳۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ. (نوح ۷۱:۱)

’’ہم نے نوح کو اُس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ اپنی قوم کو خبردار کرو، اِس سے پہلے کہ ایک دردناک عذاب اُن پر آ جائے۔‘‘

یہاں واضح طور پر فرمایا ہے کہ ہم نے نوح کی بعثت اُس کی قوم کی طرف کی اور یہ کہتے ہوئے کی کہ اپنی قوم کو خبردار کرو۔ نوح کی اس قوم کا ذکر قرآن نے مختلف پیراؤں میں اور بار بار کیا ہے۔ اس تسلسل اور تکرار سے اُن کی قوم کا یہ ذکر اُس وقت بے جا اور قطعی مہمل قرار پاتا ہے، جب قوم نوح کے علاوہ کوئی دوسری قوم سرے سے پائی نہ جاتی ہو اور حضرت نوح کو تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہو۔

۲۔ طوفان نوح کیا پوری زمین پر آیا؟

اس بارے میں رائج راے یہی ہے کہ طوفان نوح پورے کرۂ ارض پر آیا۔ اس راے کی بنیاد اصل میں قرآن اور بائیبل، دونوں میں آنے والا محض ایک لفظ، یعنی ’’زمین‘‘ ہے۔ قرآن میں اس کے لیے ’اَلۡاَرۡض‘ استعمال ہوا ہے اور لوگوں نے اس سے پوری زمین مراد لے لی ہے، حالاں کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ قرآن میں جس طرح پوری زمین کے لیے آتا ہے، اسی طرح زمین کے کسی خاص حصہ کے لیے معہود ہو کر بھی آتا ہے۔ فرعون کے بارے میں فرمایا ہے:

اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ. (القصص ۲۸:۴)

’’واقعہ یہ ہے کہ سرزمین مصر میں فرعون نے سرکشی اختیار کر لی تھی۔‘‘

یہاں ’اَلۡاَرۡض‘ کا لفظ زمین کے ایک مخصوص حصے، یعنی مصر کے لیے آیا ہے کہ فرعون کی سرکشی اس کے زیرنگیں علاقے میں تھی، نہ کہ پورے کرۂ ارض میں۔ بالکل اسی طرح حضرت نوح کی دعا ہو، اُن کی قوم پر آنے والے عذاب کا ذکر ہو یا اس عذاب کے اختتام کا بیان ہو، ان سب مقامات پر ’’زمین‘‘ کا لفظ اپنے معہود کے اعتبار سے آیا ہے اور اس سے مراد وہ مخصوص علاقہ ہے، جہاں اُن کی قوم آباد تھی۔ اس معہود کو ماننے کی وجہ یہ ہے کہ یہ معمول میں آنے والا کوئی طوفان نہیں، بلکہ خدا کا عذاب تھا، اس لیے ضروری تھا کہ یہ اُن لوگوں پر اور اُسی علاقے میں آئے، جہاں خدا کی طرف سے اِتمام حجت کیا جا چکا ہو۔

ہماری راے میں بائیبل کا بیان اس معاملے میں قرآن سے مختلف نہیں، بلکہ اُس کے عین مطابق ہے۔ اس میں بھی ’’زمین‘‘ یا ’’روے زمین‘‘ جیسے الفاظ سے مراد اصل میں یہی معہود ذہنی ہے۔ باقی اس کے راویوں کا حسن کمال

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ہے کہ اُنھوں نے ہمارے لوگوں کی طرح پہلے اسے پوری زمین قرار دیا اور پھر اسی کے مطابق سارے واقعہ کو بیان کر دیا۔

۳۔ اُن کی کشتی میں کون سوار ہوئے؟

یہ سوال اصل میں دو ضمنی سوالات پر مشتمل ہے: ایک یہ کہ کون سے جانور سوار ہوئے؟ دوسرے یہ کہ انسانوں میں کون کون سوار ہوئے؟ جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے تو اس کا جواب عام طور پر یہ دیا گیا ہے کہ حضرت نوح کو حکم ہوا تھا کہ وہ ہر قسم کے جانوروں کا نر و مادہ اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر لیں۔ اس کے لیے قرآن اور بائیبل، دونوں میں آنے والے لفظ 'کُلّ' کو دلیل بنایا گیا ہے، دراں حالیکہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن میں اس 'کُلّ' کا استعمال جس طرح ہر ہر چیز کے لیے ہوا ہے، اسی طرح کچھ مخصوص چیزوں کے لیے بھی ہوا ہے، جیسا کہ اس آیت میں:

وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ. (الانبیاء ۲۱: ۳۳)

''حقیقت یہ ہے کہ وہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ اِن میں سے ہر ایک (اپنے) ایک مدار میں گردش کر رہا ہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

یہاں 'کُلّ' سے مراد یہ نہیں ہے کہ ہر چیز اپنے مدار میں گردش کر رہی ہے، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ سورج اور چاند، ان میں سے ہر کوئی اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے۔ یہی معاملہ حضرت نوح کو دیے جانے والے حکم کا ہے۔ اس میں بھی 'کُلّ' معہود ذہنی کے لحاظ سے بولا گیا ہے اور اس سے مراد کچھ خاص جانور ہیں جو اُن لوگوں کے تصرف میں اور ان کی عمومی ضروریات کے لیے ہیں۔ 'کُلّ' یہاں عہد کے لیے ہے، اس کی دلیل طوفان کے موقع پر اس کا استعمال ہے اور یہ ایسا ہی استعمال ہے، جیسا کہ ہم اپنی زبان میں کسی علاقے میں آنے والے سیلاب کے پیش نظر اعلان کریں: لوگو، ''سب'' مال اور جانور لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ ظاہر ہے، اس سے مراد ہماری ضرورت اور استعمال کے جانور ہی ہوں گے، نہ کہ درندوں، پرندوں، چرندوں اور کیڑوں مکوڑوں سمیت دنیا بھر کے سب جانور۔[۳]

ہمارے نزدیک اگر بائیبل کے راویوں کی حاشیہ آرائی سے قطع نظر کر لیا جائے تو اس میں بھی ''کل'' اور ''ہر قسم''

۳۔ المومنون ۲۳ کی آیت ۲۷ میں جانوروں کو سوار کرنے کے لیے 'فَاسْلُکْ' کا لفظ آیا ہے۔ یہ لفظ اپنے اندر مفعول کے لیے ایک طرح کے تسلط اور غلبے کا مفہوم رکھتا ہے۔ لہٰذا ہمیں بار بار خیال ہوتا ہے کہ اسے لانے میں بھی یہ اشارہ موجود ہے کہ کشتی میں صرف اُن مخصوص جانوروں کو بٹھایا جائے جو لوگوں کے زیر تصرف اور اُن کے قابو میں ہوں۔

وغیرہ کے الفاظ اصلاً اسی طریقہ سے آئے ہیں اور ان سے مراد کچھ خاص جانور ہی ہیں، اس لیے کہ یہی بات زبان کے اصولوں کے مطابق ہے اور اسی بات کا اِمکان نوح اور اُن کی کشتی کے حجم کے تناظر میں تسلیم کیا جا سکتا ہے[۴]۔ بلکہ ''کل'' کا لفظ بول کر کچھ خاص چیزوں کو مراد لینے کی ایک اور مثال ہمیں تورات کے اِسی مقام پر مل جاتی ہے۔ فرمایا ہے: ''تو ہر طرح کی کھانے کی چیز لے کر اپنے پاس جمع کر لینا''[۵]۔ ظاہر ہے، اس میں ''ہر طرح کی کھانے کی چیز'' سے مراد عام طور پر اُن کے کھانے میں آنے والی چیزیں ہی ہیں۔

دوسرے سوال کا کہ اس کشتی میں کون لوگ سوار ہوئے، بعض حضرات کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس میں صرف نوح کے گھر والے ہی سوار ہوئے۔ یہ اصل میں تورات کا بیان ہے اور وہیں سے ہمارے ہاں رواج پا گیا ہے۔ وگرنہ ہم جانتے ہیں کہ نوح پر اُن کی قوم کے بھی بعض لوگ ایمان لا چکے تھے[۶]، اور واضح سی بات ہے کہ اُن کے لیے بھی اب یہی فیصلہ ہونا تھا کہ وہ نوح کی کشتی میں بیٹھ کر لازماً نجات پائیں۔ قرآن مجید نے اس بات کو بڑی صراحت کے ساتھ لفظوں میں بھی بیان کر دیا ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ. (ہود ۱۱: ۴۰)

''ہم نے کہا: ہر قسم کے (جانوروں کے) جوڑے اِس میں رکھ لو، (نر و مادہ) دو دو اور (اُن کے ساتھ) اپنے گھر والوں کو بھی اِس کشتی میں سوار کرا لو، سوائے اُن کے جن کے بارے میں حکم صادر ہو چکا ہے، اور اُن کو بھی جو ایمان لائے ہیں ــــــ اور تھوڑے ہی لوگ تھے جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے۔''

دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ یہاں 'وَمَنْ اٰمَنَ' کو 'اَهْلَكَ' پر عطف کیا گیا ہے۔ یہ مغایرت کا تقاضا کرتا اور یوں بڑی خوبی سے اس بات کو بیان کر دیتا ہے کہ نوح کو اپنے اہل کے علاوہ کچھ اور مومنین کو بھی سوار کرنے کا حکم ہوا تھا۔

۴۔ بائیبل میں بیان کردہ کشتی کی لمبائی اگر صحیح مان بھی لی جائے جو ۵۱۰ فٹ، یعنی تقریباً فٹ بال کے ڈیڑھ میدان کے برابر بنتی ہے تو بھی اس میں دنیا بھر کے جانوروں کا سما جانا کسی طرح ممکن نہیں۔ اور اگر قرآن کا بیان سامنے رکھا جائے جو کسی بڑے جہاز کا تصور دینے کے بجائے اسے کچھ تختوں اور کیلوں سے بنی ہوئی کشتی قرار دیتا ہے تو یہ بات مان لینا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے (کتاب پیدایش ۶: ۱۵۔ القمر ۵۴: ۱۳)۔

۵۔ کتاب پیدایش ۶: ۲۱۔

۶۔ ہود ۱۱: ۳۶۔

۴۔ کیا نوح کے اہل محض اہل ہونے کی بنا پر سوار ہوئے؟

حضرت نوح کے اہل کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم کس بنیاد پر دیا گیا؟ بعض حضرات کے نزدیک اس کی وجہ اُن کا محض حضرت نوح کے اہل میں سے ہونا ہے۔ یہ راے بنیادی طور پر تورات میں آنے والے ایک حکم سے مترشح ہوتی ہے:

''اور خداوند نے نوح سے کہا کہ تو اپنے پورے خاندان کے ساتھ کشتی میں آ، کیونکہ میں نے تجھی کو اپنے سامنے اس زمانہ میں راست باز دیکھا ہے۔'' (کتاب پیدایش ۷: ۱)

اسے پڑھ کر بادی النظر میں یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اُس وقت صرف نوح راست باز تھے اور یہ اُن کی راست بازی کا گویا انعام تھا کہ اُن کا خاندان بھی محض اُن کا خاندان ہونے کی وجہ سے بچا لیا جائے۔

اس راے کو ایک اور طرح سے بھی بیان کیا گیا ہے، وہ یہ کہ حضرت نوح کو چونکہ منکرین کی طرف سے مار دینے کی دھمکی دی گئی تھی، اس لیے اُن کی دعا کی قبولیت اس طرح سے ہوئی کہ اُنھیں اُن کے خاندان سمیت بچا لیا گیا۔ اس کی دلیل میں قرآن کے اُن مقامات کو پیش کیا گیا ہے، جہاں نوح کو اپنے گھر والوں کو کشتی میں سوار کرنے کا حکم دیتے ہوئے 'اَهۡلَكَ' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اس معاملہ میں اُن کے اہل کے لیے اُن کا اہل ہونا ہی مدار نجات تھا۔ اس کی تائید میں یہ دلیل بھی لائی گئی ہے کہ جب نوح کا بیٹا عذاب کی گرفت میں آ گیا اور انھوں نے 'اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ' (ہود ۱۱: ۴۵) کہتے ہوئے خدا سے التجا کی تو اس کے جواب میں یہ کہنے کے بجاے کہ وہ ایمان نہ لایا تھا، اس لیے غرق ہوا، یہ کہا گیا: 'اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ'، وہ تمھارے اہل میں سے نہ تھا، اس لیے غرق ہوا (ہود ۱۱: ۴۶)۔

یہ راے جن حضرات نے پیش کی ہے، اُن سے جس طرح اسلام کے بنیادی اصولوں سے یک سر اعراض ہوا ہے، اِسی طرح خاص اس واقعہ کے بارے میں بیان کردہ تصریحات سے بھی مکمل طور پر صرف نظر ہو گیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اسلام میں حسب نسب کی حیثیت فقط باہمی تعارف اور پہچان کی ہے۔ خدا کے ہاں اگر کسی چیز کی اہمیت ہے تو وہ ایمان اور عمل صالح کی ہے۔ بالخصوص اُس کی عدالت میں، چاہے وہ عدالت آخرت کی ہو یا رسالت کے نتیجے میں اس دنیا میں برپا کر دی گئی ہو۔ چنانچہ یہ بات کسی طرح باور نہیں آتی کہ حضرت نوح کو رسول بنا کر بھیجا جائے اور منکرین کی تکذیب کے نتیجے میں عذاب سر پر آن پہنچے اور اُس وقت نجات کے فیصلے حق و باطل کے بجاے نسل اور خاندان کی بنیاد پر کیے جائیں، اور نوح کے اہل و عیال جو اُن کی دعوت کے براہ راست مخاطب بھی ہیں، محض اُن کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اہل ہونے کی وجہ سے بچا لیے جائیں۔اس کے برخلاف، اگر قرآن کی تصریحات دیکھی جائیں تو وہ اس سارے معاملے کو ایک اور طرح سے بیان کرتی ہیں۔ان کے مطابق یہ سب ایمان اور کفر کی بنیاد پر ہوا۔نوح اپنی قوم کو دعوت دیں یا اُنھیں تنبیہ کریں۔نجات کی دعا کریں یا عذاب کی درخواست کریں۔خدا اپنے عذاب کا فیصلہ سنائے یا نجات پانے والوں کا بیان کرے۔کامیابی کا مژدہ سنائے یا ناکام ہونے والوں پر لعنت کا بیان کرے[7]؛اس طرح کے ہر موقع پر ایمان وکفر، توحید وشرک، رسول کی معیت اور اس کی تکذیب ہی کا صراحت سے ذکر ہوا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح کو جب حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں کو کشتی میں سوار کریں تو اُس وقت بھی اسی اصل اصول پر اُن سے فرمایا ہے:

قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ. (ہود۱۱:۴۰)

”ہم نے کہا: ہر قسم کے (جانوروں کے) جوڑے اِس میں رکھ لو، (نر و مادہ) دو دو اور (اُن کے ساتھ) اپنے گھر والوں کو بھی اِس کشتی میں سوار کرا لو، سواے اُن کے جن کے بارے میں حکم صادر ہو چکا ہے، اور اُن کو بھی جو ایمان لائے ہیں ـــــ اور تھوڑے ہی لوگ تھے جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے۔“

یہ حکم حسب نسب کے بجاے ایمان کی بنیاد پر دیا گیا۔اس بات کی دلیل 'اَهْلَكَ' پر آنے والا 'اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ' کا استثنا ہے اور اس کے بعد 'وَمَنْ اٰمَنَ' کے الفاظ میں بیان ہونے والا وصف ایمان ہے۔یہ دو چیزیں بڑی وضاحت سے بتا رہی ہیں کہ اس معاملہ میں نوح کے خاندان کی نجات کے لیے ایمان ہی اصل معیار قرار دیا گیا۔بلکہ ایک اور مقام پر 'اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ' کے بعد 'وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ'[8] کے الفاظ کے ذریعے سے اس معیار کو ایمان وکفر، دونوں پہلوؤں سے خوب واضح کر دیا گیا ہے۔

یہ تو رہی اصولی بات۔اب جہاں تک اس راے کے حق میں دی گئی پہلی دلیل کا تعلق ہے تو ہم اس پر عرض

---

[7] ان تمام تصریحات کے لیے ترتیب سے یہ آیات دیکھ لی جاسکتی ہیں: 'اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ' (ہود۱۱:۲۶)۔'وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ' (ہود۱۱:۴۲)۔'وَنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ' (الشعراء ۲۶:۱۱۸) اور 'وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا' (نوح ۷۱:۲۸)۔'رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا' (نوح ۷۱:۲۶)۔'وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ' (ہود۱۱:۳۷)۔'فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ' (الاعراف ۷:۶۴)۔'اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ' (ہود۱۱:۴۹)۔'وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ' (ہود۱۱:۴۴)۔

[8] المومنون ۲۳:۲۷۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کریں گے کہ 'اَهْلَكَ ' کے لفظ اور اس کی تکرار کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اہل محض اہل ہونے کی بنا پر سوار کر لیے جائیں۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کے ذیل میں دو مقامات پر 'اَهْلَكَ ' کا لفظ استعمال ہوا ہے، مگر ان دونوں مقامات پر وہ اپنے عموم کے بجاے تخصیص میں ہوا ہے۔ یعنی، اس لفظ سے مراد تمام اہل وعیال سرے سے ہے ہی نہیں کہ اس سے کوئی شخص اہل ہونے کو نجات کی وجہ قرار دے۔ مذکورہ بالا آیت میں اس تخصیص کی دلیل اس لفظ کو استعمال کرنے کا موقع اور اس پر عطف ہونے والے 'وَمَنْ اٰمَنَ ' کے الفاظ ہیں۔ دوسرے اس پر آنے والا 'اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ' کا استثنا ہے جس نے واضح طور پر بتا دیا ہے کہ سوار ہونے کے اس حکم میں اہل سے آپ کے تمام اہل نہیں، بلکہ وہ خاص اہل مراد ہیں جن کے بارے میں خدا کے عذاب کا فیصلہ صادر نہیں ہو چکا۔ بلکہ دوسری جگہ پر اِس استثنا کے بعد آنے والے 'وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ' کے الفاظ نے تو سلبی طریقے سے بھی اس تخصیص کو نمایاں کر دیا ہے۔ سو 'اَهْلَكَ ' میں پائی جانے والی یہی تخصیص ہے جو اِعادۂ معرفہ کے اصول پر اس واقعہ کے تفصیلی بیان میں آخر تک موجود رہی ہے، یعنی نوح نے التجا کرتے ہوئے جب 'اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ ' کہا ہے تو اس سے اُن کی مراد یہی ہے کہ پروردگار، میرا بیٹا تو میرے اُن خاص اہل میں سے تھا جن کے بارے میں عذاب کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔[9] اس کے جواب میں خدا نے جب 'اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ' کہا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ تمھارے اُن خاص اہل میں سے نہیں تھا، بلکہ ہمارے فیصلہ کی زد میں آیا ہوا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ 'اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ' وہ اپنی ذات میں سراسر برائی ہو چکا تھا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

'اَهْلَكَ ' کی یہ تخصیص اِس راے کے حق میں دی ہوئی دوسری دلیل کا بھی مکمل طور پر جواب ہو گئی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے اب یہ ممکن نہیں رہا کہ 'اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ' کا مطلب یہ لیا جائے کہ وہ تمھارے خاندان میں سے نہیں، یعنی تمھارا اپنا بیٹا نہیں ہے۔ تاہم، بعض حضرات کو اُس کی نسبت کے انکار کرنے پر اس قدر اصرار ہے کہ اُنھوں نے اسے موکد کرنے کے لیے ایک اور مقام سے دلیل اٹھائی ہے۔ وہ مقام یہ ہے:

9۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ نوح کے بیٹے نے کشتی میں سوار ہونے سے یک سر انکار کیا، مگر انھوں نے پھر بھی اس کے متعلق یہ کیوں کہا کہ وہ تو میرے اُن اہل میں سے تھا جس کے بارے میں عذاب کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے جواب میں ہماری راے یہ ہے کہ اُن کا بیٹا چونکہ منافق تھا، اس لیے وہ اُس کے ظاہر کے اعتبار سے خدا سے التجا کر رہے تھے۔ جو حضرات ہماری اس راے کے تفصیلی دلائل اور اس کے مقابل آرا پر محاکمہ دیکھنا چاہیں، وہ ہمارے ایک مضمون ''نوح کا بیٹا'' کی مراجعت کر سکتے ہیں: ماہنامہ اشراق، مارچ ۲۰۱۵ء۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوا امۡرَاَتَ نُوۡحٍ وَّامۡرَاَتَ لُوۡطٍ كَانَتَا تَحۡتَ عَبۡدَيۡنِ مِنۡ عِبَادِنَا صَالِحَيۡنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمۡ يُغۡنِيَا عَنۡهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيۡئًا. (التحریم ۶۶:۱۰)

’’اللہ منکروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال پیش کرتا ہے۔ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے گھر میں تھیں، مگر اُنھوں نے اپنے شوہروں سے بے وفائی کی تو اللہ کے مقابلے میں وہ اُن کے کچھ کام نہ آ سکے۔‘‘

اُنھوں نے اس آیت میں آنے والے لفظ ’خیانت‘ سے حضرت نوح کی بیوی کے بدچلن ہونے پر استدلال کیا ہے اور اس کے نتیجے کے طور پر اُس بیٹے کی نوح کے ساتھ نسبت کا انکار کر دیا ہے۔ اس استدلال کے پہلے جز پر ہم عرض کریں گے کہ خدا کے رسول اپنے مخاطبین کے سامنے اخلاق کی اعلیٰ مثال ہوتے ہیں۔ اُن کے منکرین بھی اِس بات کی اُن کے حق میں شہادت دیتے ہیں اور اگر وہ کہیں ضد میں آ کر الزام لگا بیٹھیں تو اس عالم کا پروردگار خود اُن کی طرف سے جواب دیتا اور اُن کے اچھے اخلاق پر اپنی مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب اپنے لوگوں کے ساتھ بدخواہی[10] اور مال وزر کے لیے قیدی پکڑنے[11] کا بہتان تراشا گیا تو ہم جانتے ہیں کہ قرآن میں کس اہتمام سے حقیقت حال کو واضح کیا گیا۔ بلکہ منافقین کی طرف سے جب ازواج مطہرات کے کردار کو داغ دار کرنے کی کوششیں ہوئیں تو اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے آگے بڑھ کر اُن کی براءت کا اعلان کیا[12]۔ ان فتنوں سے بچنے کی تدابیر بتائیں[13]، یہاں تک کہ اس گندگی سے پاک کرنے کے مقصد سے اُن کے لیے کچھ خاص احکام بھی اتارے[14]۔ اور یہ سب اس لیے ہوا کہ اللہ کے رسول پر اپنے گھر کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے بھی کوئی الزام نہ آنے پائے۔ مبادا وہ اخلاقی حیثیت سے لوگوں میں تنقید کا ہدف ٹھیریں اور نتیجے میں اُن کی دعوت بالکل بے اثر ہو کر رہ جائے۔ اللہ کے رسول کا لوگوں کے لیے مثال ہونا اور اللہ کا اِس مثال کو قائم رکھنے کے لیے اُن کے ساتھ یہ معاملہ کرنا، اس سب کے ہوتے ہوئے یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ کے ایک اور رسول، حضرت نوح کی بیوی برے اخلاق و کردار

۱۰؎ آل عمران ۳:۱۶۱۔

۱۱؎ الانفال ۸:۶۷۔

۱۲؎ النور ۲۴:۱۱-۱۸۔

۱۳؎ الاحزاب ۳۳:۵۹۔

۱۴؎ الاحزاب ۳۳:۳۲-۳۴۔

کی اس درجہ پستی میں گر جائے۔ اور بفرض محال، ایسا ہو بھی گیا ہو تو پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نوح نے اُسے عذاب کے وقت تک اپنے ساتھ کیوں رکھا؟ اگر کہا جائے کہ اُنھیں اس بارے میں علم نہ تھا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے اُنھیں اِس کی اطلاع کیوں نہ دی؟ اور اس غلاظت سے جان چھڑانے کی نصیحت کیوں نہ کی؟ اس الزام کو ایک اور زاویے سے دیکھیں تو بھی اسے سمجھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ نوح کے منکرین ایمان لانے والوں کو بے وقوف اور اراذل کہتے ہیں اور خود حضرت نوح علیہ السلام کو مجنون، کاذب اور گم راہ قرار دینے[15] اور باطل کے ہر ہتھیار سے مسلح ہو کر اُن پر پل پڑنے سے ذرا بھی نہیں چوکتے ہیں[16]، مگر اُن کی بیوی کے متعلق اس قدر بڑی بات پر وہ بالکل خاموش رہتے اور اس بنیاد پر اُن کے خلاف کوئی طوفان بدتمیزی نہیں اٹھاتے ہیں۔

جہاں تک خیانت کا تعلق ہے، تو یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ محض یہ لفظ اُن کی عورت پر اتنا بڑا الزام لگا دینے کے لیے ہرگز صریح نہیں ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ اصل میں امانت کے مقابلے میں آتا اور امین بنا دینے کے بعد کسی شخص پر جو اعتماد پیدا ہوتا ہے، اُس کے مجروح ہو جانے پر استعمال کیا جاتا ہے۔ مذکورہ آیت میں یہ بات تو بالکل صاف ہے کہ یہ نوح کی بیوی کی طرف سے اُن کے باہمی اعتماد کو مجروح کرنے پر آیا ہے، سوال صرف یہ ہے کہ ان دونوں کے ہاں اس سانحہ کے گزر جانے کی وجہ کیا ہوئی؟ اس کی وجہ بدچلنی تو کسی صورت نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ اس دعوے کے لیے جس درجے کا قرینہ چاہیے، وہ اشارے کی حد تک بھی کہیں کلام میں موجود نہیں ہے[17]۔ لیکن آیت کے شروع میں آنے والے 'ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا' (التحریم ۶۶: ۱۰) کے الفاظ، البتہ اس بات کا قرینہ ضرور ہیں کہ اس کی اصل وجہ اُن کی بیوی کی طرف سے سرزد ہونے والا کفر ہے[18]۔ اور اس کے قرینہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں کفر کرنے والوں کو چونکہ متنبہ کرنا پیش نظر ہے کہ اُنھیں کسی بڑی شخصیت سے نسبت بھی خدا کے عذاب

---

[15] منکرین کی یہ تمام ہذیات ان آیات میں دیکھ لی جا سکتی ہیں: ہود ۱۱: ۲۷۔ القمر ۵۴: ۹۔ ہود ۱۱: ۲۷۔ الاعراف ۷: ۵۹۔

[16] المومن ۴۰: ۵۔

[17] اس کی مثال میں سیدنا یوسف کا واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے جہاں 'ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ' (یوسف ۱۲: ۵۲) میں 'خیانت' کا لفظ جب اس معنی میں لیا گیا ہے تو اس کی وجہ سیاق وسباق میں صراحت سے بیان ہوا اُس کا قرینہ ہے۔

[18] یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اُس عورت کی بدچلنی سے حضرت نوح کی اخلاقی برتری میں فرق آ سکتا تھا تو اُس کے کفر کرنے سے ایسا کیوں نہیں ہوا؟ عرض ہے کہ یہ اس لیے نہیں ہوا کہ کفر، چاہے اپنی حقیقت میں غیر اخلاقی امر ہو، مگر منکرین کے نزدیک یہ صرف علم اور عقیدے کا معاملہ، بلکہ اُن کے قومی تفاخر کی ایک نمایاں علامت تھا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سے نہیں بچا سکتی، اس لیے ضروری ہے کہ کفر ہی کے جرم پر بتایا جائے کہ اُن سے پہلے کے لوگوں کو بھی کسی بڑی نسبت نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ سو خیانت کے حقیقی معنی اور اس واضح قرینہ کی روشنی میں آیت کی اصل تفہیم کچھ یوں بنتی ہے:

کفر کرنے والوں کو نوح اور لوط کی عورتوں کی مثال دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ ہمارے نیک بندوں کے عقد میں تھیں۔ اب یہ عقد چونکہ میاں اور بیوی کو ایک دوسرے کے لیے امین بناتا اور اس طرح اُن کے درمیان میں ایک طرح کا اعتماد پیدا کر دیتا ہے، اس لیے اُن نیک شوہروں کو اپنی عورتوں سے بڑی امید تھی کہ وہ اُن کی دعوت حق کو سبقت کرتے ہوئے قبول کریں گی اور اس کام میں اُن کی موید اور معاون بن جائیں گی، 'فَخَانَتٰهُمَا'، مگر اُنھوں نے اس اعتماد کو زبردست ٹھیس پہنچائی جب ایمان لانے کے بجائے کفر کا ارتکاب کیا۔ چنانچہ اس کفر کی وجہ سے پیغمبروں کے ساتھ اُن کی نسبتیں بھی اُنھیں کوئی فائدہ نہ دے سکیں اور وہ خدا کے عذاب کی گرفت میں آ کر رہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ لفظ 'خیانت' کا بالکل وہی استعمال ہے جو ذیل کی اس آیت میں ہوا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ. (الانفال ۸: ۲۷) ''ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرو۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مطلب ہے کہ تم لوگ ایمان کا قول و قرار کرنے کے بعد خدا اور اُس کے رسول کے ساتھ ایک عہد میں بندھ چکے اور اس معاملے میں امین قرار پا چکے ہو، چنانچہ اس کے تقاضوں کے خلاف جا کر اُن سے ہرگز خیانت نہ کرو۔

نوح کی بیوی چونکہ بدچلن تھی، اس لیے عذاب کی لپیٹ میں آنے والا شخص نوح کا حقیقی بیٹا نہیں تھا، اس استدلال کے دوسرے جز پر ہم صرف یہ عرض کریں گے کہ یہ کسی بھی صورت میں پہلے جز کا کوئی لازمی نتیجہ نہیں ہے۔ یعنی، اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ عورت بدچلن تھی تو بھی اِس سے نوح کے بیٹے کی نسبت کا انکار نہیں ہوتا، اس لیے کہ اُس کی بدچلنی کے بعد یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ اِس کے نتیجے میں اس کے ہاں اولاد بھی ہوئی تھی؟ اور دوسرے یہ کہ اگر اولاد ہوئی تھی تو وہ لازماً بیٹے ہی کی صورت میں ہوئی تھی؟ اور مزید یہ کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ جو شخص عذاب کی لپیٹ میں آیا، وہ اُسی عورت کا جنا ہوا بیٹا تھا؟ بلکہ اس بات کا بھی آخر کیا ثبوت ہے کہ وہ بیٹا اس کے عمل بد ہی کا نتیجہ تھا؟ سو بغیر کسی دقت کے سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ ان حضرات کے استدلال اور ان کے دعویٰ کے درمیان میں بہت سے خلا ہیں جنھیں پر کرنے کے لیے ایک لمبی جست لگائی گئی اور اس کے لیے کئی باتیں خود سے فرض کر لی گئی ہیں۔

بہرحال، ہم اس بحث کو قرآن کے اس بیان پر ختم کرتے ہیں جس میں خداے علّام نے کسی اور کی زبان سے نہیں، بلکہ اپنی طرف سے تبصرہ کرتے ہوئے اُسے نوح کا بیٹا قرار دیا ہے۔ فرمایا ہے:

وَهِيَ تَجۡرِيۡ بِهِمۡ فِيۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ وَنَادٰى نُوۡحُ ۨابۡنَهٗ. (ہود ۱۱: ۴۲)

''وہ کشتی پہاڑوں کی طرح اٹھتی ہوئی موجوں کے درمیان اُن کو لے کر چلنے لگی اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی۔''

۵۔ آج کے سب انسان کس کی اولاد ہیں؟

عام راے یہ ہے کہ اِس وقت کی تمام انسانی آبادی نوح کے تین بیٹوں، سام، حام اور یافث کی اولاد ہے۔ اس راے کا ماخذ صرف اور صرف تورات کا بیان ہے اور یہ بیان فقط اُسی صورت میں صحیح قرار پا سکتا ہے جب دو باتیں مان لی جائیں: ایک یہ کہ طوفان کے نتیجے میں جب پورے کرۂ ارض پر موجود آبادی کو غرق کر دیا گیا ہو۔ اور دوسرے یہ کہ طوفان کے بعد صرف نوح کی اولاد ہی بچی ہو۔ ان میں سے پہلی بات کے بارے میں، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا، قرآن اور تورات سرے سے کوئی دعویٰ ہی نہیں کرتے۔ رہی دوسری بات تو اس کا بیان تورات میں موجود تو ضرور ہے، مگر چند شواہد ایسے ہیں جو اسے مان لینے میں رکاوٹ ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، قرآن کی رو سے حضرت نوح کی بعثت صرف اُن کی اپنی قوم کی طرف ہوئی تھی اور اصول کے مطابق خدا کے اتارے ہوئے عذاب میں اُسے ہی ہلاک ہونا تھا، نہ کہ آدم کی پوری اولاد کو۔ اس میں چند ایمان والوں کے بارے میں تو صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ اُنھوں نے بھی نوح کی اولاد کے ساتھ اس طوفان میں نجات پائی، بلکہ تورات میں بھی ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو اس بات کو مان لینے میں حائل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً آدم اور نوح کی پیدایش میں تقریباً گیارہ صدیوں کا زمانہ ہے اور آدم کے بیٹے، سیت اور نوح کے درمیان میں سات واسطے بھی ہیں کہ جن کی اپنی اولادیں بھی ضرور رہی ہوں گی اور اس پر مستزاد آدم کے دوسرے بیٹے، قائن سے چلنے والا ایک سلسلۂ نسل بھی ہے۔ لہٰذا اس قدر طویل زمانہ اور اس دوران میں وجود پانے والی آدم کی مختلف نسلیں، اگر ان کے ساتھ طوفان کا مقامی ہونا اور انسان کی طرف سے کی جانے والی ہجرتوں کا اِمکان بھی سامنے رکھا جائے تو یہ باور کرنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے کہ طوفان میں صرف نوح کی اولاد ہی بچی ہو گی۔ غرض یہ ہے کہ انسانی آبادی نوح کے تین بیٹوں کی اولاد ہے، اس راے کی بنیاد جن دو باتوں پر اٹھائی گئی ہے، وہ کسی طرح سے بھی ثابت نہیں ہوتیں۔

اگر پوچھا جائے کہ اس راے کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے؟ تو عرض ہے کہ اُس نے اِس معاملے میں کوئی واضح بات نہیں کی۔ البتہ، کوئی شخص ذیل کی آیت میں 'عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنۡ مَّعَكَ' کے الفاظ سے اشارے کی حد تک یہ

استدلال ضرور کرسکتا ہے[۱۹] کہ غیر اولاد نوح سے بھی نسل انسانی آگے بڑھی ہوگی:

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ.

”اے نوح، اتر جاؤ، ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اور برکتوں کے ساتھ، تم پر بھی اور اُن امتوں پر بھی جو اُن سے ظہور میں آئیں گی جو تمھارے ساتھ ہیں۔“ (ہود ۱۱: ۴۸)

ہمارے نزدیک اس وقت کی نسل انسانی کے تین ممکنہ مصادر ہو سکتے ہیں: ایک نوح کی کشتی میں سوار تین بیٹے، سام، حام اور یافث۔ دوسرے اسی کشتی میں سوار دیگر مومنین۔ اور تیسرے مقام نوح سے دور بسنے والی آدم کی اولاد۔ جہاں تک اس رائے کے صحیح ہونے کا تعلق ہے تو اس کی دلیل میں جس طرح اوپر مذکور ہوئے شواہد کو پیش کیا جا سکتا ہے، اسی طرح آج دنیا میں پائی جانے والی مختلف نسلوں کا تجزیہ بھی اس کی ایک دلیل ہو سکتا ہے۔

۶۔ سیدنا ابراہیم کیا واقعی حضرت نوح کی نسل سے ہیں؟

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سیدنا ابراہیم حضرت نوح کی اولاد میں سے ہیں، یہ بات بائیبل، قرآن مجید اور مسلمانوں کے علم میں بالکل واضح اور تاریخ کی ایک مانی ہوئی حقیقت ہے۔ اس پر آج کے دور میں اگر بعض اہل علم کی طرف سے ”انکشاف“ کے نام سے سوال نہ اٹھا دیا گیا ہوتا تو ہم کبھی بھی اس پر بات نہ کرتے۔ اس انکشاف میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن تورات کے برعکس، سیدنا ابراہیم کو حضرت نوح کے بجائے اُن کے کسی ساتھی کی اولاد قرار دیتا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم اصل حقیقت کو قرآن میں سے واضح کریں، ہم چاہتے ہیں کہ قرآن کے اُس انداز کو واضح کر دیں جو تورات کے بیان کی اصلاح یا اُس کی تردید کرتے ہوئے وہ عام طور پر اپنایا کرتا ہے۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تورات کا بیان یہ ہے کہ اُنھوں نے معجزہ دکھاتے ہوئے جب اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ کوڑھ سے برف کے مانند سفید تھا۔[۲۰] قرآن نے جب یہ واقعہ بیان کیا تو بڑے ہی واضح انداز میں یہ کہتے ہوئے اس کی اصلاح کی: 'تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ'،[۲۱] یعنی یہ ہاتھ بغیر کسی بیماری کے سفید ہوتا تھا۔ اسی طرح

۱۹؎ ہم نے اسے واضح دلیل کے بجائے اشارہ اس لیے قرار دیا ہے کہ 'عَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ' کے الفاظ اس بات کے لیے ہرگز صریح نہیں ہیں کہ نوح کے تمام ساتھیوں سے امتیں پیدا ہوں گی، بلکہ اُن میں سے صرف بعض سے بھی اگر امتیں پیدا ہونا ہوتیں تو بھی اِن الفاظ کا استعمال بالکل درست ہوتا۔

۲۰؎ کتاب خروج ۴: ۶۔

۲۱؎ طٰہٰ ۲۰: ۲۲۔

تورات میں بیان ہوا ہے کہ خداوند نے چھ دن میں زمین و آسمان کی تخلیق کی اور ساتویں دن آرام کیا۔[۲۲] قرآن نے یہ کہتے ہوئے بڑی صراحت سے اس کی تردید کی: 'وَمَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ'،[۲۳] کہ ہمیں کوئی تکان لاحق نہیں ہوئی۔ بلکہ اگر کوئی غلطی بہت زیادہ سنگین ہو اور لوگوں میں اس کا عام رواج بھی ہو چکا ہو اور قرآن کو اس کے جواب میں واقعی کوئی انکشاف کرنا ہو تو اس کے لیے وہ محض اشارے کنایے میں اور محض ضمیروں کی دلالت سے بات نہیں کرتا، بلکہ انکشاف ہی کے طریقے سے اسے بیان کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہود سیدنا مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے کا دعویٰ کرتے تھے، انجیلوں میں بھی یہی کچھ نقل کر دیا گیا تھا، اور اسے کم و بیش ہر مسیحی فرقے میں مان لیا گیا، یہاں تک کہ نزول قرآن کے وقت اسے گویا ایک مسلمہ کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی؛ اس پر قرآن نے اصل حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے بتایا ہے اور دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ کتنے زوردار طریقے سے بتایا ہے: 'وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ' (اُنھوں نے نہ اُس کو قتل کیا اور نہ اُسے صلیب دی، بلکہ معاملہ اُن کے لیے مشتبہ بنا دیا گیا)، یعنی پہلے اُن کی بات کی ہر دو پہلو سے تردید کی اور پھر ان کو جہاں سے غلطی لگی تھی، اس بنیاد کی بھی وضاحت کی، بلکہ پھر سے دہرا کر اصل بات کو موکد کیا: 'وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا'،[۲۴] کہ اِنھوں نے ہرگز اُس کو قتل نہیں کیا۔ غرض یہ ہے کہ تورات کے بیان کی تردید کرتے ہوئے قرآن کو اگر یہ بتانا ہوتا کہ وہ نوح کے بجاے کسی اور کی اولاد ہیں تو وہ اپنے معروف طریقے کے مطابق ہی بتاتا، نہ کہ اس طرح بتاتا کہ اسے جاننے کے لیے بڑے باریک اور منطقی استدلال کی ضرورت آن پڑتی۔

ہمارے نزدیک قرآن اس معاملے میں تورات کی پوری موافقت کرتا ہے اور واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ ابراہیم واقعتاً نوح ہی کی اولاد ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ. ذُرِّيَّةًۢ بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ. (آل عمران ۳: ۳۳-۳۴)

''اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ نے آدم اور نوح کو، اور ابراہیم اور عمران کے خاندان کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر (اُن کی رہنمائی کے لیے) منتخب فرمایا۔ یہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔''

''ایک دوسرے کی اولاد ہیں''، اس جملے کا یہ مطلب، ظاہر ہے کہ نہیں لیا جا سکتا کہ ان میں سے ہر کوئی ایک

۲۲ خروج ۲۰: ۱۱۔

۲۳ ق ۵۰: ۳۸۔

۲۴ النساء ۴: ۱۵۷۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

دوسرے کا باپ بھی ہے اور اولاد بھی، بلکہ اس کا ایک ہی مطلب بنتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب لوگ ایک ترتیب سے ایک دوسرے کی اولاد ہیں، یعنی نوح آدم کی اولاد ہیں، آل ابراہیم نوح کی اور آل عمران ابراہیم کی۔[۲۵]

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۲۵؎ اس پر یہ سوال نہیں اٹھایا جا سکتا کہ اس میں تو آل ابراہیم کو نوح کی اولاد بتایا گیا ہے، نہ کہ ابراہیم کو، اس لیے کہ ابراہیم کی اولاد اگر نوح کی اولاد ہے تو خود ابراہیم تو بطریق اولیٰ نوح کی اولاد ہیں۔